اقتصادیات پر اثر انداز ہونے والی آفاتِ نفس سے بچنے کا حکم

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۱ر جولائی ۱۹۶۹ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ)

☆ نفسِ امّارہ کے بُرے خیالات کا قلع قمع کریں۔

☆ دنیا میں تمام حقوق اللہ تعالیٰ ہی قائم کرتا ہے۔

☆ نفسِ امّارہ کی آفات اقتصادیات پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

☆ سُود سے اقتصادی غلامی پیدا ہوتی ہے۔

☆ اسلام کے اقتصادی نظام میں امیر اور غریب کا حق قائم کیا گیا ہے۔

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے درج ذیل آیتِ مبارکہ پڑھی۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ - (البینۃ: ۶)

اس کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

اس سلسلہ خطبات میں میں اسلام کے اقتصادی نظام پر روشنی ڈال رہا ہوں اور میں بتا رہا ہوں کہ اسلام کے اقتصادی نظام سے تعلق رکھنے والے تمام احکام (اوامر ونواہی) اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کے لئے دیئے گئے ہیں۔ میں نے بتایا تھا کہ حقیقی اور خالص عبادت کے گیارہ تقاضے مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ میں بیان ہوئے ہیں

خالص عبادت کا چوتھا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی آفات کو سمجھے اور نفسِ امارہ کے برے اور گندے میلانوں کو سمجھ کر ان کا قلع قمع کرنے کی کوشش کرے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے توحید کے بارے میں بحث کرتے ہوئے ہمیں بتایا ہے کہ توحید چھ قسم کی ہوتی ہے میں نے اس کا ذکر ذرا تفصیل سے پچھلے ایک خطبہ میں کیا تھا میں نے بتایا تھا کہ ایک قسم کی توحید وہ ہے جو انسان کے نفس کے حق کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور پھر آگے اس کی دو قسمیں ہیں ایک حق نفس کے ساتھ تعلق رکھنے والی توحید علمی اور دوسری حق نفس کے ساتھ تعلق رکھنے والی توحید عملی۔ حقِ نفس سے تعلق رکھنے والی توحید علمی یہ ہے کہ انسان نفس کی کمزوریوں اور نفس کے عیوب اور نفس کی آفات اور نفس کے رذائل کا علم رکھے اور حق نفس سے تعلق رکھنے والی توحید عملی یہ ہے کہ ان آفات نفس سے بچنے کی کوشش کرے۔ نفسِ امّارہ کے مطالبوں سے مغلوب نہ ہو بلکہ غالب ہو کر نفسِ لوّامہ کی ہدایتوں کے ماتحت نفسِ مطمئنّہ کی تلاش میں زندگی کے دن گزارے اور پھر اسے حاصل کرے۔ حقِ نفس سے تعلق رکھنے والی اس توحید کو ہم ورع یا زہد وتعبد کا نام بھی دیتے ہیں یعنی ان آفات کو جاننا اور ان سے

بچنے کی کوشش کرنا اوران پر غالب آنا نفس کی آفات کا بڑا گہرا تعلق اقتصادیات سے بھی ہے اگر اللہ تعالیٰ کے احکام کو نظر انداز کر دیا جائے اور نفس کی خواہشات کی پیروی کی جائے تو ایک ایسا اقتصادی نظام قائم ہوتا ہے جو انسانیت کے لئے تباہ کن ثابت ہوتا اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے کا موجب بنتا ہے۔

نفس کی پہلی آفت ظلم ہے ظلم کے لغوی معنی یہ ہیں کہ اپنے نفس کے جو حقوق ہیں ان سے زائد طلب کرنا اور جو غیر کے حقوق ہیں ان کو روکنا اوران کو ادا نہ کرنا یہ ہر دو کام یعنی دوسرے کی حق تلفی اور اپنے لئے حق سے زیادہ چاہنا اور حاصل کرنا یہ ظلم ہے کیونکہ یہ ہر دو وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ کے دائرہ کے اندر آتے ہیں۔

اس ظلم کے نتیجہ میں بہت سی اقتصادی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔قرآن کریم نے ان کا وضاحت سے ذکر کر کے ان سے منع فرمایا ہے بلکہ اس کو لعنتی ذہنیت قرار دیا ہے کہ انسان اپنا حق تو اصل حق سے زائد سمجھے اور دوسرے کے حق کو اس کے اصل حق سے کم سمجھے۔اللہ تعالیٰ سورۂ یٰسین میں فرماتا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ۔ (یٰسٓ: ۴۸)

فرمایا کہ دنیا میں بعض لوگ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری یعنی کفرانِ نعمت کرنے والے ہوتے ہیں جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی نعمتوں سے نوازا اور رزق عطا کیا ہے اس رزق اوران نعمتوں کو ان حقوق کے مطابق خرچ کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی حق قائم نہیں کیا۔ہم خود حقوق کو قائم کرتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے حق کو قائم کرنا تھا تو محتاج اور اپنے حق سے محروم نظر آنے والوں میں سے اللہ تعالیٰ کسی کو بھی محتاج و محروم نہ رکھتا وہ خود ان کے حقوق ادا کر دیتا۔

پس ایسے لوگ دوسروں کے حقوق کے متعلق اس اصل سے انکار کرتے ہیں کہ دنیا میں تمام حقوق اللہ تعالیٰ ہی قائم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسی ذات نہیں جو کسی کا حق قائم کرنے کی مجاز ہو کیونکہ اس نے ہمیں پیدا کیا اور اسی نے ہمیں قوتیں اور استعدادیں عطا کیں اور پھر ان کی نشوونما کے سامان بھی پیدا کئے۔پس اللہ تعالیٰ ہی ہے جو پیدا کرتا ہے وہی ہر ایک کو بہتر جانتا اور وہی ہر ایک کے حق کو قائم کرسکتا ہے کسی دوسرے کو تو نہ ان قوتوں اور استعدادوں کا علم ہے نہ کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ مخلوق باری تعالیٰ کے

حقوق کے متعلق کوئی فیصلہ کرے مگر یہ ناشکرے لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اموال میں دوسروں کا کوئی حق نہیں ہے اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو عزت و اکرام کا ذریعہ نہیں سمجھتے بلکہ عزت و اکرام کی نشانی اور علامت جانتے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ فجر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَامَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ (فجر: ۱۶)

کہ جب اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے بعض کو آزمانا چاہتا ہے تو ایک خاص قسم کی ذمہ داریاں ان کے کندھوں پر ڈال دیتا ہے اور اس آزمائش سے ان کے لئے عزت اور وجاہت کے حصول کے سامان پیدا کر دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ انہیں نعمتوں سے نوازتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ اگر تم اس رزق کو اور ان نعماء کو میری ان ان ہدایتوں کے مطابق خرچ کرو گے تو میری نگاہ میں تم معزز بن جاؤ گے۔ بعض لوگ تو اس بات کو سمجھتے ہیں لیکن بعض ایسے بھی ہیں کہ جو اس راز کو سمجھتے ہی نہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ یعنی میرے اندر کچھ اس قسم کی ذاتی خوبیاں ہیں کہ میرا رب بھی میری عزت و اکرام کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ حالانکہ ان کو یہ نعماء اس لئے دی گئی تھیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق ان کو جائز طور پر خرچ کرنے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں عزت و اکرام کو حاصل کریں۔ لیکن وہ اس بات کو سمجھتے نہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ یتیم کی عزت نہیں کرتے، مسکین کے حقوق ادا نہیں کرتے اور جو مال انہیں ملتا ہے نہ صرف وہ مال جسے وہ خود کماتے ہیں بلکہ وہ مال بھی جسے وہ ورثہ میں پاتے ہیں جس کی کمائی میں ان کی کوشش کا کوئی دخل نہیں ہوتا اس سارے مال اور خدا تعالیٰ کی عطا کردہ باقی نعمتوں کا بھی غلط استعمال کرتے ہوئے اسے وہ عیش و عشرت میں اُڑا دیتے ہیں۔ وہ مال سے انتہائی محبت کرتے ہیں اس کو اپنا محبوب بنا لیتے ہیں۔ اس کی پرستش شروع کر دیتے ہیں اور اس مال کی خاطر اللہ تعالیٰ کو ٹھکرا دیتے ہیں اور دنیا کی اس عارضی عزت کی خاطر ابدی طور پر عزت کی نگاہ سے دیکھے جانے کے شرف سے خود کو محروم کر لیتے ہیں۔ حالانکہ جب اللہ تعالیٰ کی عزت کی نگاہ انسان پر پڑ جاتی ہے تو انسان ہر قسم کی مسرتوں کا وارث بن جاتا ہے۔

پس نفس کی پہلی اور بنیادی آفت یہ ظلم ہی ہے گو باقی آفات نفس بھی ظلم ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ ان شکلوں کو ہم نے مختلف نام دیئے ہیں کیونکہ ہر آفت کا تعلق یا تو اپنے حق سے زائد لینے یا حق سے کم دینے سے ہے۔

نفس کی دوسری آفت حرص یعنی لالچ ہے مثلاً مال سے بہت زیادہ محبت کرنا سورۃ فجر کی مذکورہ بالا آیت کے بعد اس سورۃ کے آخر میں بھی اس کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (الفجر : ۲۱)

اس خصلت رذیلہ کے نتیجہ میں اقتصادی دنیا میں دوز بردست اور ہلاکت کی طرف لے جانے والی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ انسان مال کے لالچ کے نتیجہ میں احتکار کرتا ہے یعنی اس کے پاس جو اشیا اور اموال فروخت کے لئے ہوتے ہیں وہ ان لوگوں کو جنھیں ان کی ضرورت ہوتی ہے قیمتاً بھی نہیں دیتا بلکہ ان کو روکے رکھتا ہے اور اس طرح مخلوق خدا کو تکلیف میں ڈالتا ہے حالانکہ ان لوگوں کا یہ حق خدا تعالیٰ نے قائم کیا تھا کہ اس سامان کو جو اللہ تعالیٰ نے اس وقت پیدا کیا اس میں سے اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے خریدیں لیکن یہ شخص لوگوں کو ان کی ضرورت کے وقت خریدنے کے حق سے محروم کر دیتا ہے اور مال کو روک رکھتا ہے اور اس سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے اور یہ لالچ کارفرما ہوتا ہے کہ اس طرح محدود و معین دائرہ میں قحط کے آثار پیدا ہوں گے اور وہ زیادہ قیمت پر مال کو بیچ کر فائدہ اٹھائے گا۔ اس طرح حرص کے نتیجہ میں وہ دوسرے کو اس کے حقِ خرید سے محروم کر دیتا ہے۔ اسلام نے اس سے سختی سے منع کیا ہے۔

دوسرے اس حرص اور لالچ کے نتیجہ میں ہمیں اقتصادیات کے اندر ایک ظلم عظیم نظر آ رہا ہے اور وہ سود ہے کیونکہ اس سود کے نتیجہ میں آج دنیا کی جو شکل عملاً ہمیں نظر آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ انسانوں میں سے ایک چھوٹے سے گروہ کے پاس دنیا کے سونے اور چاندی کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔

سود سے اقتصادی غلامی پیدا ہوتی ہے اور اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے نظام کو جاری کیا ہے۔ جس طرح سود بنی نوع انسان کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کا ایک عظیم منصوبہ ہے اسی طرح نظام زکوٰۃ اس اقتصادی غلامی کی زنجیروں کو کاٹنے کا ایک عظیم حربہ ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے نفس کی اس آفت سے بھی انسان کو اسلام کے اقتصادی نظام کے ذریعہ بچایا ہے کیونکہ فرمایا ہے احتکار نہیں کرنا، سود نہیں لینا، بلکہ اس کے مقابلہ میں زکوۃ کو ادا کرنا ہے تا کہ اس طرح لوگوں کے وہ حقوق ادا ہو جائیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے ویسے زکوٰۃ کے Institution (نظام) کے نتیجہ میں ہر فرد واحد کے اقتصادی حقوق پورے طور پر ادا نہیں ہو سکتے۔ تاہم بہت سے افراد کے

اقتصادی حقوق ادا ہو جاتے ہیں اور جو حقوق ادا نہیں ہوتے ان کی ادائیگی کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دوسرے احکام دیئے ہیں۔

نفس کی تیسری آفت حسد ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ تمنا اور خواہش رکھنا کہ وہ شخص جو کسی نعمت کا مستحق ہے اس سے وہ نعمت چھن جائے اور اس کے لئے کوشش بھی کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بڑی تفصیل سے یہ ہدایت دی ہے کہ حسد نہیں کرنا اور تاکیداً فرمایا ہے کہ جن لوگوں کے پاس میری نعمتوں سے تمہیں کچھ نظر آتا ہے اور میں نے ان کا یہ حق قائم کیا ہو کہ یہ نعمتیں ان کے پاس رہیں کیونکہ وہ ان کا استحقاق رکھتے ہیں تو ان کے متعلق تمہارے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا جو حق قائم کیا ہے اس سے وہ محروم ہو جائیں اور نہ ہی اس کے لئے تمہیں کبھی کوشش کرنی چاہئے۔

نفس کی چوتھی آفت جو اقتصادیات پر بڑا گہرا اثر ڈالتی ہے وہ بخل کی آفت ہے۔ بخل کے معنے بھی حق کو ادا نہ کرنے کے ہیں۔ کیونکہ بخل یہ ہے کہ کسی چیز کو دوسرے کو دینے سے روکے رکھنا جس کے روکے رکھنے کا اسے کوئی حق نہ تھا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ زید کا بکر پر اللہ تعالیٰ نے ایک حق قائم کیا تھا اور بکر یہ حق ادا کرنے سے گریز کرتا ہے اس کو بخل کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ بخل کی آفت فخر و مباہات کے منبع سے سر ابھارتی ہے، اور بخل سے پرہیز کرنے کا بہترین طریق یہ ہے کہ فخر و مباہات سے اجتناب کیا جائے۔

پس بخل کے معنے یہ ہوئے کسی کا حق تھا اور یہ حق کسی دوسرے پر تھا لیکن جس پر حق تھا وہ یہ حق حقدار کو ادا نہیں کر رہا۔ اللہ تعالیٰ سورۂ آل عمران میں فرماتا ہے:۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔ (آل عمران: ۱۸۱)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بخیل کے لئے اس کا بخل اچھے نتائج پیدا نہیں کرے گا یا اس کے لئے خیر کا موجب نہیں ہوگا۔ بعض قومیں بڑی بخیل ہیں اگر آپ ان کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ اپنے تاریخی ادوار میں اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی لعنتوں کی وارث بنتی رہی ہیں۔ خیر کی وارث کبھی نہیں بنیں کیونکہ

فرمایا ہے بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ اس بخل کا نتیجہ خیر ہو ہی نہیں سکتا بلکہ ان کی بعض دنیوی ترقیات کے لئے، ان کے ذہنی نشوونما کے لئے ان کی اخلاقی ترقیات کے لئے اور ان کی روحانی ترقیات کے لئے برا نتیجہ نکلے گا اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو نیک قوتیں اور استعدادیں عطا کی ہیں وہ اس رنگ میں اپنے نشوونما کے کمال کو نہیں پہنچ سکیں گی کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا کو حاصل کر سکیں بلکہ ان کا یہ بخل اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت کا موجب بنے گا اور انہوں نے بخل کی وجہ سے دوسروں کے حقوق ادا نہ کر کے جو اموال یا سونا اور چاندی وغیرہ جمع کئے ہیں وہ ان کے کسی کام نہیں آئیں گے وہ ان کے گلے کا طوق بنا دیئے جائیں گے اگرچہ ایسا اس دن ہوگا جس دن اللہ تعالیٰ ان کی اس تباہی کا فیصلہ کرے گا تاہم اس دنیا میں بھی بعض قوموں کی تباہی کا وقت قریب آ رہا ہے اور احمدیت کی ترقی کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ تعالیٰ ہی کی ہے تمہارا کوئی حق اس پر نہیں ہے کیونکہ اس کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور جو حقیقی مالک ہو یہ اسی کا کام ہے کہ وہ بتائے کہ جو اس کی چیزیں ہیں وہ کس کو کس رنگ اور کس طریق سے پہنچنی چاہئیں۔ بعض دفعہ وہ خود ایسا انتظام کرتا ہے کہ حق دار کو اس کا حق مل جاتا ہے یا بعض دفعہ پورا نہیں تو ایک حد تک حقدار کو اس کا حق مل جاتا ہے۔ یعنی کلی طور پر اپنے حقوق کے لینے میں وہ محروم نہیں رہتا لیکن بعض دفعہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی روحانی اور اخلاقی ترقی کے لئے ایسے سامان پیدا کرتا ہے کہ حق تو زید کا ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ بکر کو دے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اے بکر! یہ تیرا حق نہیں یہ تو میں نے تیری ترقی کے لئے سامان پیدا کئے ہیں کہ تو جس کا حق ہے اسے پہنچا دے جو چیز تیری نہیں تھی جو چیز کسی دوسرے کی تھی اگر میرے کہنے پر میری رضا کے حصول کے لئے بخل سے بچتے ہوئے تو یہ چیز اس کے حقدار کو پہنچا دے گا تو تیرا اس میں کوئی نقصان نہیں کیونکہ درحقیقت یہ چیز تیری تھی ہی نہیں البتہ اس میں تیرے لئے بہت فائدہ ہے کیونکہ اس طرح تم میری رضا کو، میری محبت کو، تم میرے پیار کو اور ہر اس خیر کو جس کا منبع مَیں ہوں اور ہر اس فیض کو جس کا سرچشمہ مَیں ہوں پا لو گے۔

بخل کے نتیجہ میں انسانی فطرت اس طرف بھی مائل ہو جاتی ہے کہ جب انسان ماپ اور تول والی چیزوں کو لینے لگتا ہے تو زیادہ لیتا ہے یعنی دوسرے کے حق کو چھیننے کی کوشش کرتا ہے اور جب اسے کوئی چیز دینے لگتا ہے تو کم تول کر یعنی کم اور چھوٹے پیمانے سے اس کو ادا کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام میں

ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ (انعام:۱۵۳)

کہ ماپ اور تول کو تم حق و انصاف کے ترازو پر تولا کرو اس میں صرف کَیْـل اور میزان ہی نہیں بلکہ معنی کے لحاظ سے ہر ایک چیز کا پیمانہ مراد ہے مثلاً باہمی معاہدات ہوتے ہیں کہ اس قسم کی چیز دینی لینی ہے جیسے مثلاً روئی ہے تو اس قسم کی روئی ہو۔ گندم ہے تو اس قسم کی گندم ہو۔ ویسے اب گندم کی بھی بہت سی قسمیں نکل آئی ہیں تاہم لین دین میں اس معاہدہ کی اصل روح کو مدنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ قومیں جو اپنے عہد و پیمان کو انصاف سے پورا کرنے والی نہیں ہوتیں وہ اقتصادی لحاظ سے کبھی نہیں اُبھریں۔ قرآن کریم میں یہ بھی آتا ہے کہ کچھ ایسے لوگ ہیں کہ

اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ (اَلْمُطَفِّفِيْن: ۴)

کہ جب تول کر دیتے ہیں یا وزن کرتے ہیں یا پیمائش کرتے ہیں یا ایک معیار مقرر کرتے ہیں تو اس معیار پر پورے نہیں اُترتے مثلاً ہاکی ایک کھیلنے کی چیز ہے بچے اس مثال کو سمجھ جائیں گے اگر کسی کالج نے درجنوں کے حساب سے ہاکیاں خریدنی ہیں اور دکاندار ایک معیاری ہاکی انہیں دکھاتا ہے لیکن اگر بعد میں وہ اس معیار کی ہاکیاں نہ دے تو یہ چیز بھی اسی آیت کے نیچے آجاتی ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ نے اسلام کے اقتصادی نظام کو ایسا بنایا ہے کہ بخل اس میں کوئی مفسدانہ کھیل کھیل ہی نہیں سکتا بلکہ بخل کے نتیجہ میں جو مختلف شکلوں کی حق تلفی ہو سکتی تھی اسلام کے اقتصادی نظام میں اس حق تلفی کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔

نفس کی پانچویں آفت ریا ہے یعنی دکھاوے نمائش کے لئے کام کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے جو اقتصادی اصول وضع کئے ہیں ان میں ریا اور نمائش کی بھی کوئی جگہ نہیں ہے جو لوگ ریا سے کام لیتے اور نمائش یعنی دکھاوے کے لئے کام کرتے ہیں وہ اپنے اصل حقوق سے زیادہ خرچ کر رہے ہوتے ہیں یا زیادہ حاصل کر رہے ہوتے ہیں کیونکہ کسی فرد واحد کی قوتوں اور استعدادوں کی صحیح اور کامل نشوونما کے لئے ریا اور نمائش کی ضرورت نہیں ہے۔ عقل بھی اس بات کو تسلیم نہیں کرتی اور مذہب اسلام بھی اس بات کو تسلیم نہیں کرتا اور ہر وہ چیز جس کی فرد واحد یا خاندان یا قوم یا اقوام کی قوتوں اور استعدادوں کی صحیح اور کامل نشوونما کے لئے ضرورت نہ ہو اس کی اسلام کے اقتصادی نظام میں کوئی جگہ نہیں ہے۔

قرآن کریم میں نمائش کرنے والوں اور دکھاوے کے طور پر کام کرنے والوں کا بھی ذکر موجود ہے

اور پھران پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا بھی اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کے متعلق فرماتا ہے:

اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا (اَلْبَلَد:۷)

کہ ایسا انسان کہے گا میں نے ڈھیروں ڈھیر مال خرچ کر دیا یہیں اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا ہے کہ مال خرچ کرنا فی نفسہٖ کوئی نیکی نہیں ہے۔ حق کی ادائیگی میں مال خرچ کرنا نیکی ہے کسی کو کوئی چیز دینا نیکی نہیں ہے بلکہ کسی کا اصل حق ادا کرنا نیکی ہے اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ اگر کسی کا مال اس لئے خرچ ہوا ہے کہ اس طرح بعض لوگوں کے حقوق ادا ہو جائیں تو یہ ایک نیکی کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس طرح تم میری رضا کے وارث بن جاؤ گے لیکن اگر تمہارا خرچ اس وجہ سے نہیں اپنے مال کو تم اس مقصد اور اس غرض کے لئے خرچ نہیں کرتے بلکہ تم مال کو محض نمائش اور دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہو جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ میرے پاس بڑا مال ہے اور اس بات کو نظر انداز کر جاتے ہو کہ تمہارے پاس جو مال ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے لوگوں کے حقوق قائم کئے ہیں اور تجھے وہ مال اس لئے دیا گیا ہے کہ تو دوسروں کے ان حقوق کو ادا کر کے اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور رحمتوں کا وارث بنے لیکن تو اس چیز کو بھول جاتا ہے اور بڑے فخر سے کہتا ہے کہ میں نے نمائش کے طور پر بے تحاشا مال خرچ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعض بے وقوف اور بصارت اور بصیرت سے محروم شاید اس کے نتیجہ میں تیری تعریف بھی کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ کی تعریفی نگاہ تجھ پر نہیں پڑ سکتی اور نہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے تجھ سے عزت و احترام کا سلوک کر سکتے ہیں۔

اس آیت کے آگے جو آیات ہیں ان میں دو اصولی باتیں بیان کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حق کی ادائیگی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک غلامی سے چھڑانے کے لئے اور دوسری غربت کو دور کرنے کے لئے۔ ان ہر دو کا اس حق کی ادائیگی سے تعلق ہے۔ غلامی سے صرف وہی غلامی مراد نہیں جو ایک وقت تک بڑی بھیانک شکل میں دنیا میں رائج رہی ہے اور اب بھی نیم ظاہری شکل میں غلاموں کی نسلیں امریکہ میں ہمیں نظر آتی ہیں۔ غلامی کا طوق بظاہر ان کی گردن میں نہیں ہوتا لیکن دنیا کا کوئی عقلمند اور خدا ترس انسان ان کو آزاد بھی نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ مختلف قوانین میں مختلف روایات میں جکڑے ہوئے ہیں مختلف نفرتوں مختلف حقارتوں اور مختلف حق تلفیوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔

ایک اور غلامی بھی ہے جو اگر چہ اس طرح کی غلامی تو نہیں لیکن وہ غلامی ضرور ہے کیونکہ ہر وہ شخص جو

ایک ایسے ماحول میں پرورش پا رہا ہے کہ مال کے علاوہ جو اس کے دوسرے حقوق ہیں وہ اسے نہیں مل رہے وہ بھی تو غلام ہے وہ بھی جکڑا ہوا اور قید ہے، وہ آزاد نہیں، کیونکہ وہ اس چیز میں آزاد نہیں کہ وہ اپنی قوتوں اور استعدادوں کے مطابق صحیح نشوونما پا سکے اس لئے وہ غلام ہی ہے خواہ دنیا اس کو غلام سمجھے اور اس کی غلامی کی زنجیروں کو کاٹنے کی کوشش کرے اور خواہ دنیا اس کو غلام نہ سمجھے اور اس کی غلامی کی زنجیروں میں اسے جکڑا رکھنے کی کوشش کرے بہرحال اس کی غلامی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت اچھا ذہن دیا ہے لیکن اس کا ماحول اس کے ذہن کی کماحقہ، نشوونما نہیں ہونے دیتا، وہ تو درحقیقت غلام ہی ہے اس کے ہاتھ تو بندھے ہوئے ہی ہیں وہ باوجود احساس رکھنے کے اپنی قوتوں کی نشوونما نہیں کر سکتا اور بعض دفعہ وہ اپنی غلامی کا احساس ہی نہیں رکھتا چنانچہ فرانس کے ایک سیاسی مفکر نے شاید اسی حقیقت کے پیش نظر ایک جگہ لکھا ہے:

‘‘A slave is to be forced to be free’’

یعنی ایک غلام کو زبردستی آزاد بنانا پڑے گا کیونکہ اسے اپنی غلامی کا احساس نہیں۔ اس مفکر کی منطق اور فلسفہ کے بعض حصوں سے تو اسلام اختلاف رکھتا ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض دفعہ غلام کو اپنی غلامی کا احساس تک نہیں ہوتا اسلام نے پہلے اسے غلامی کا احساس دلایا ہے۔ پھر اس کی آزادی کے لئے ہر قسم کے سامان پیدا کئے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے سورۂ بلد کی ان آیات میں فرمایا ہے کہ مال کو ڈھیروں ڈھیر خرچ کر دینا کوئی خوبی نہیں ہے۔ خوبی یہ ہے کہ اموال کو اس رنگ میں خرچ کیا جائے کہ دنیا سے ہر قسم کی غلامی مٹ جائے۔ وہ غلامی بھی جو ایک بھیانک شکل میں نظر آتی ہے اور وہ غلامی بھی جو بہت سی آنکھوں سے پوشیدہ رہتی ہے اور بعض دفعہ اس غلام کی آنکھ سے بھی پوشیدہ رہتی ہے اور اسے اپنی غلامی کا خیال ہی نہیں ہوتا لیکن ہر قسم کی غلامی دور ہونی چاہئے اس معنی میں کہ ہر آدمی اس بات میں آزاد ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کے اندر اپنی استعدادوں کی نشوونما کو کمال تک پہنچا دے۔ پس اللہ تعالیٰ نے رزق کی تقسیم میں عزت واحترام کے حصول کا سامان رکھ دیا ہے یعنی ایک شخص کو مال دے دیا ہے۔ سارے مال پر جس کا حق نہیں اور دوسرے کو براہ راست نہیں دیا جس کے حق کو اس نے قائم کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے کہا کہ جن کو میں نے ان کے نفس کے حقوق سے زائد (یعنی ہر ایک کے نفس کے بھی تو کچھ حقوق ہیں) دیا ہے وہ ان کا نہیں ہے۔ میرے کہنے پر میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے میری رضا کے

حصول کے لئے میری محبت کو پانے کے لئے اس زائد مال کو ان لوگوں کو دے دو جن کے حقوق کو میں نے اسلامی شریعت میں قائم کیا ہے کیونکہ اس طرح تم میری نگاہ میں عزت کو حاصل کر لو گے۔

پس ہر قسم کی غربت کو دور کرنے اور ہر قسم کی غلامی سے انسان کو چھڑانے کے لئے تھوڑا یا بہت مال حق کی ادائیگی میں خرچ کئے جانے کا اسلام نے حکم دیا ہے۔ اسلام میں اس کو اچھی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے نتیجہ میں تم میری رضا کو حاصل کر سکو گے۔ لیکن اگر یہ دو مقاصد مدِّنظر نہ ہوں حق کی ادائیگی سامنے نہ ہو بلکہ صرف یہ خیال ہو کہ اگر میں نمائش کے طور پر مال کو خرچ کروں گا تو دنیا میں میری واہ واہ ہوگی اور دنیا کی بصارت و بصیرت سے محروم آنکھ مجھے غلط قسم کی عزت دے دے گی تو یاد رکھنا چاہئے کہ نمائش کی غرض سے مال کے خرچ کرنے کے نتیجہ میں انسان کو کبھی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح نفس کی اور بہت سی آفات ہیں جن کا اثر بالواسطہ یا بلا واسطہ اسلام کے اقتصادی نظام پر پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نفس کی ہر آفت کا ذکر قرآنی تعلیم میں کیا ہے اور اس سے بچنے کا حکم بھی دیا ہے۔ اور ساتھ ہی اس سے بچنے کا طریق بھی بتایا ہے قرآن کے تمام نواہی یعنی یہ نہیں کرنا۔ یہ نہیں کرنا وغیرہ کا تعلق اسی سے ہے۔ ان آفات نفس کا تعلق چونکہ انسانی زندگی کے ساتھ ہے اور چونکہ اقتصادیات بھی انسانی زندگی کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ اس لئے اقتصادیات سے بھی ہے۔ چند موٹی موٹی آفاتِ نفس اور نفس امّارہ کے میلان جو نمایاں طور پر اقتصادیات پر اثر انداز ہوتے ہیں ان کا میں نے اس وقت ذکر کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کا قائم کردہ اقتصادی نظام سرمایہ داری یا اشتراکیت کے قائم کردہ اقتصادی نظام سے بہت مختلف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مُخۡلِصِيۡنَ لَـهُ الدِّيۡنَ میں خالص اور حقیقی عبادت کا پانچواں تقاضا یہ بتایا تھا کہ احکام یعنی اوامر و نواہی خالصۃً للہ ہوں اوامر کی پیروی کی جائے اور نواہی سے بچا جائے۔ دراصل آفاتِ نفس سے بچنا اور اللہ تعالیٰ کے اخلاق کا رنگ اپنے اوپر چڑھانا (جو اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کا تیسرا تقاضا تھا) ممکن نہیں یعنی یہ دونوں تقاضے پورے نہیں ہو سکتے جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم جاری نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جس بات کا حکم دیا ہے وہ کی جائے اور جس بات سے روکا ہے وہ بات نہ کی جائے اور اقتصادیات میں بھی (مثلاً ابھی میں نے پانچ آفتوں کا ذکر کیا ہے) ان آفتوں سے اسی صورت میں بچا جا

سکتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرے اگر اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کی جائے اور دین کے تمام تقاضوں کو پورا کیا جائے تو دنیا میں ایک حسین اقتصادی نظام قائم ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ میں نے پچھلے خطبہ میں بھی بتایا تھا اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ جس قسم کے اقتصادی نظام کو وہ قائم کرنا چاہتا ہے وہ ہر اس اقتصادی نظام سے اعلیٰ اور برتر ہے جسے کوئی انسان یا کوئی قوم یا ساری اقوام مل کر بھی دنیا میں قائم کرنا چاہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اقتصادی نظام میں جہاں تک مستحقین یا محرومین کی، جن کو حقوق نہیں مل رہے ضرورتیں پوری کرنے کا سوال ہے۔ اسلام کسی کی ضرورت کے پورا کرنے کے سوال کو اُٹھاتا ہی نہیں بلکہ ہر ایک کے حق کو ادا کرنے کا سوال اُٹھاتا ہے ان دونوں میں حقیقتاً بڑا فرق ہے جو آدمی ضرورت پوری کروانا چاہتا ہے وہ فقیر بن جاتا ہے جیسا کہ آپ نے سفر کرتے ہوئے دیکھا ہوگا کہ جب کسی جگہ بس یا کار یا ریل ٹھہرتی ہے تو بھیک منگا سامنے آجاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں صبح سے بھوکا ہوں مجھے کچھ کھانے کو دو ضرورت اس نے پیش کی بھیک منگا بن گیا نا! پس باقی سارے نظاموں نے محروم کو فقیر اور بھیک منگا بنا دیا ہے پھر دوسری بات یہ بھی ہے کہ ان نظاموں نے ضرورت کا نام بھی لیا مگر اس کی تعریف نہیں کی۔ اس کی وضاحت نہیں کی کہ ضرورت سے کیا مراد ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس اقتصادی نظام میں جسے وہ قائم کرنا چاہتا ہے ضرورت کی بجائے حق کے تصور کو پیش کیا ہے یعنی ہر فرد واحد کے جو حقوق ہیں وہ ادا ہونے چاہئیں جس نظام میں ہر ایک کے حقوق ادا نہیں ہوتے وہ نظام درحقیقت غاصب ہے کیونکہ کسی کی صرف ضرورت کا ذکر کر کے اس کے سارے حقوق کو پورا نہ کرنا دراصل اسے محتاج اور فقیر اور بھیک منگا بنانے کے مترادف ہے اس کے مقابلہ میں اسلام کے اقتصادی نظام نے نہ صرف ضرورت کو تسلیم کیا ہے بلکہ ہر شخص کے اصل حق پر زور دیا ہے اور ضرورت کی بڑی لطیف تعریف کی ہے اور کسی نظام نے ایسی تعریف نہیں کی۔ اسلام کے اقتصادی نظام میں ضرورت سے مراد یہ ہے کہ ہر فرد واحد کے جو حقوق ہیں وہ ادا ہونے چاہئیں اگر وہ ادا نہیں ہوتے تو وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا اس کے غضب کے نیچے ہیں کیونکہ ان کے اموال میں اللہ تعالیٰ نے دوسروں کا حق رکھا تھا جسے وہ ادا نہیں کر رہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے ہر انسان کو جو قوت اور استعداد بخشی ہے اس کی نشوونما کو اس کے کمال تک پہنچانے کے لئے جس چیز کی بھی ضرورت ہے وہ اس کا حق ہے عام اقتصادی نظاموں میں کہا جاتا ہے کہ جو ضروریات زندگی ہیں وہ دے دو۔ اسلام کہتا ہے کہ نہیں اس سے کام نہیں چلے گا۔ دوسرے نظام جب

دینے پر راضی بھی ہوتے ہیں تو کم سے کم دینے پر راضی ہوتے ہیں۔ اسلام کا اقتصادی نظام کہتا ہے کہ کم سے کم نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ دینا چاہئے یعنی نشوونما کو کمال تک پہنچانے کے لئے دینا ہے اور اس سے زیادہ کچھ اور ہو نہیں سکتا ورنہ اسراف ہو جائے گا اور اسراف ایسی چیز ہے کہ اس کا حق خدا تعالیٰ نے قائم نہیں کیا۔

اسی طرح جو امیر ہے اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول کی زبان سے کہلوایا ہے ''وَلِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقٌّ '' (بخاری کتاب الصوم بابُ مَنْ اَقْسَم علی اخیہ لیُفطر فی التطوع) ہم تیرا حق بھی قائم کرتے ہیں کیونکہ تیرے حق کی تعیین یہ ہے کہ تیرے اور تیرے خاندان کے جو قوئ ہیں، جو طاقتیں اور استعدادیں ہیں ان کو کمال تک پہنچانے کے لئے تمہیں جن چیزوں کی ضرورت ہے ہم تمہیں دیتے ہیں اور جو اس سے زائد ہے اَھْلَکْتُ مَالًا لُّبَدًا کے اندر آ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری عیاشیوں کے جو اخراجات ہیں وہ تمہارا حق نہیں کیونکہ تمہاری قوت، قابلیت، طاقت اور استعداد کی نشوونما کے لئے ان کی ضرورت نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے امیر کا جو حق تسلیم کیا ہے غریب اس سے چھین نہیں سکتا جیسا کہ اشتراکیت نے ظلم کرتے ہوئے امراء سے ان کا حق چھین لیا۔

پس اسلام کے اقتصادی نظام میں امیر کا بھی حق قائم کیا گیا ہے اور غریب کا بھی حق قائم کیا گیا ہے مانگنے کو برا سمجھا اور اپنی بحث میں اس چیز کو نہیں لایا اور کہا ہے کہ خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ میں نے ہر شخص کا حق قائم کیا ہے وہ حق اس کو ملنا چاہئے اگر افراد اس حق کو نہیں دیتے، اگر وہ طوعی طور پر اس حق کو پورا نہیں کرتے تو حکومت کا فرض ہے کہ وہ حق دار کو اس کے حقوق دلوائے آگے اس کے لئے بڑی محنت اور منصوبہ بندی کی ضرورت ہے جس کا ذکر خود ''الدین'' میں بیان ہوا ہے۔ اس پر بحث انشاء اللہ بعد میں ہو جائے گی۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۸؍اکتوبر ۱۹۶۹ء صفحہ ۳ تا ۸)

☆......☆......☆